OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
ISSN (Online): 2791-0067
https://aisbbu.com/

عالمی تہذیبی کشمکش اور اسلامی نظامِ حیات

The Global Civilizational Conflict and the Islamic Way of Life

Dr. Syed Bacha Agha
Associate Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Karachi
Agha211179@gmail.com

Abstract:

This paper explores the significance, relevance, and resilience of the Islamic way of life within the context of global civilizational conflict. In particular, it seeks to examine Islam's global role, its foundational civilizational principles, and its comprehensive solutions for humanity in the light of the "Clash of Civilizations" thesis. The analysis highlights the spiritual essence of Islamic civilization, its intellectual foundations, ethical standards, and its inherent capacity to foster global harmony. Throughout human history, civilizations have experienced cycles of conflict, exchange, and evolution. However, with the emergence of Samuel Huntington’s theory of the Clash of Civilizations in the late 20th century, the discourse on civilizational dialogue, confrontation, and conflict gained global academic and political prominence. In this context, Islam, as a major civilization, came under renewed scrutiny in the West. The central question thus arises: Is Islam a symbol of conflict, or a beacon of dialogue, harmony, and salvation for humanity? This study endeavors to examine this very dimension.

Keywords: civilizational conflict, Clash of Civilizations, spiritual essence, global harmony.

اسلامی نظامِ حیات ایک جامع، ہمہ گیر اور مکمل طرزِ زندگی ہے جو عقیدہ، عبادات، اخلاقیات، معیشت، معاشرت اور سیاست سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ نظام قرآن وسنت کی بنیاد پر قائم ہے، جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن، عدل اور فلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں رب کی بندگی، انسانوں کے درمیان عدل ومساوات، اور روحانیت واخلاقیات کا غلبہ ہو۔ جیسا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے واضح کیا کہ:

”اسلام کسی محض مذہبی رسم وعبادت کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی نظام ہے جو پوری انسانی زندگی کو اپنے دائرہ میں لاتا ہے[1]“۔

یہ نظام نہ صرف فرد کی اصلاح کا داعی ہے بلکہ وہ ایک عادلانہ ریاست اور معاشرے کے قیام کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔ مولانا وحید الدین خان کے مطابق: ”اسلامی نظامِ حیات کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو خدا کے ساتھ براہِ راست رشتہ قائم کرنے کا ذریعہ بناتا ہے، جس سے وہ خود احتسابی، نیکی اور تقویٰ کے راستے پر گامزن ہوتا ہے[2]“۔

اسلام کا یہ نظام خالص اخلاقی اقدار، مثلاً: صداقت، امانت، وفاداری، ایثار، عدل اور رحمت پر قائم ہے۔ اس کا دائرہ کار صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ تجارتی لین دین، خاندانی نظام، تعلیمی اداروں، عدالتوں اور حکومت کی تشکیل وکارکردگی پر بھی محیط ہے[3]۔

مختصر ایہ کہ اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے جو عقیدہ، عبادت، اخلاق، معیشت، معاشرت، سیاست، اور عالمی تعلقات پر محیط ہے۔

اسلامی نظامِ حیات کی اہم خصوصیات

1۔ توحید پر مبنی تصورِ حیات

اسلامی تصورِ حیات کی بنیاد توحید (یعنی اللہ کی وحدانیت) پر استوار ہے۔ توحید صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر اصول ہے جو انسان کی پوری زندگی کے خدوخال متعین کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔[4]

ترجمہ: : کہو: وہ اللہ ایک ہے۔

توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی تخلیق اور فرمانبردار سمجھے، اور اپنی پوری زندگی کو اللہ کے احکام کے تابع کرے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے توحید کی تشریح کرتے ہوئے کہا: ”توحید محض عقیدہ نہیں، بلکہ انسانی زندگی کا مرکز ومحور ہے۔ یہی عقیدہ انسان کے رویے، اس کے اعمال اور اجتماعی نظام کو اللہ کی بندگی کے تابع کرتا ہے[5]“۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق: ”توحید، فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے وحدتِ فکر، وحدتِ مقصد، اور وحدتِ عمل کا سرچشمہ ہے[6]“۔

CC BY

توحید کے عملی تقاضے یہ ہیں کہ انسان اپنی انفرادی، معاشرتی، معاشی، اور سیاسی زندگی میں صرف اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور تمام فیصلے اسی کے احکام کے مطابق کرے۔ اس کی بنیاد پر انسان نہ کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے، نہ کسی طاغوتی قوت کو حق حاکمیت دیتا ہے۔

2۔ عدل و مساوات

مساوی قانون اور عدل و انصاف کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اگر مساوی قانون اور عدل و انصاف نہ ہو تو معاشرے میں امن و سکون ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے امن اولین شرط ہے اور امن کا حاصل ہونا مساوی قانون اور عدل و انصاف کے بغیر ممکن نہیں۔ جس معاشرے میں عدل و انصاف مفقود ہو بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا روش ہو اور ریاست بھی عدل و انصاف کو کوئی اہمیت نہ دیتی ہو تو جلد یا بدیر بدنظمی اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس نے عدل و انصاف پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ عدل و انصاف کا تعلق زندگی کے ہر حصے کے ساتھ ہے، چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، سیاسی ہو یا عدالتی اور معاشی ہو یا معاشرتی۔ اللہ تعالیٰ خود عادل و منصف ہے، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اللہ یقضی بالحق۔[7]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

عدل ایسی چیز ہے جس سے ہر ہر مرحلے اور موڑ پر دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بیع و شراء، مصلحت و مسائل میں، بحث و گفتگو میں، کسی کو گواہ بنانے میں اور خود گواہ کی حیثیت سے پیش ہونے میں عدل و انصاف سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح خورد و نوش کے وقت میں اور پھر خرچ کرتے وقت بھی ہم عدل کی راہ سے منہ نہیں موڑ سکتے حتیٰ کہ جانوروں سے کام لینے تک میں ہم کو عدل کا پابند بنایا گیا ہے[8]۔ قرآن کریم نے ہمیں نظام عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی اور حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔[9]

ترجمہ: یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے سے عدل کرو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔

اسی طرح اہل ایمان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط[10]

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلیں دے کر بھیجا اور اس کے ساتھ ہم نے اتاری کتاب اور میزان یعنی قواعد عدل تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔

حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عدل آپ ﷺ کی جہانبانی کا بنیادی اصول تھا اور آپ ﷺ دوسروں پر ہی نہیں بلکہ اپنی ذات اقدس پر بھی اس کا اطلاق فرمایا کرتے تھے، جس کا ثبوت ذیل کا حدیث ہے:

عن ابی سعید الخدری قال بینمارسول اللہ ﷺ یقسم قسماً اقبل رجل فاکب علیہ فطعنہ رسول اللہ ﷺ بعرجون کان معہ فجرح بوجھہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ تعال فاستقد قال بل عفوت یارسول اللہ۔[11]

ترجمہ: ابو سعید خدری نے کہا کہ اسی اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ مال بانٹ رہے تھے ایک صاحب آپ ﷺ پر جھک گیا، رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے شاخ کے ساتھ کچھ کچوکا دیا جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اور اس صاحب کے چہرے پر زخم لگا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: آ اور مجھ سے قصاص لے لے، اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نے معاف کر دیا۔

یہ ہے عدل کی وہ مثال جو پیغمبر اسلام ﷺ نے بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدل کا اطلاق اپنی ذات اقدس پر فرما کر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اس سے کوئی بھی شخص مبرا نہیں، چاہے سلطان ہی کیوں نہ ہو۔

3۔ عالمگیریت (Universalism)

اسلامی نظام حیات اپنی فطرت میں عالمگیر ہے۔ یہ کسی خاص نسل، قوم یا خطے تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اعلان کیا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔[12]

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے (رسول بنا کر) بھیجا ہے۔

یہ آیت اسلامی پیغام کی عالمگیریت کا بنیادی ثبوت ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے مطابق: ''اسلام ایک بین الاقوامی دین ہے جو رنگ، نسل، قوم، زبان اور علاقے کے تمام امتیازات کو مٹاتا ہے[13]''۔

اسلامی تصورِ عالمگیریت اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اصولوں پر مبنی ہے، جو موجودہ مغربی ماڈل کی طرح صرف اقتصادی و ثقافتی غلبہ نہیں چاہتا، بلکہ انسانیت کی فلاح اور عدل پر مبنی عالمی معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے۔

اسلام میں امتِ واحدہ کا تصور بھی عالمگیریت کا مظہر ہے، جس میں تمام مسلمان بغیر کسی قومی یا لسانی تفریق کے ایک مرکز سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ حیات میں عالمگیریت وحدت، برابری اور بین الاقوامی اخوت کے اصولوں پر مبنی ہے[14]۔

اسلامی نظامِ حیات اپنی فطرت میں فطری ہم آہنگی (Natural Harmony) پر مبنی ہے، کیونکہ اس کا سرچشمہ خالقِ کائنات کی وحی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔[15]

ترجمہ: پس تم اپنا رخ اس دین کی طرف یکسو ہو کر قائم رکھو جو اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا نظامِ حیات انسانی فطرت سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی تعلیمات انسانی فطرت کے بالکل مطابق ہیں۔ نہ یہ اس پر بوجھ ڈالتے ہیں، نہ اسے دباتے ہیں، بلکہ اسے نکھارتے ہیں اور توازن عطا کرتے ہیں'' ۔[16]

اسلامی نظام نہ صرف فرد کی روحانی و جسمانی ضروریات میں توازن قائم کرتا ہے بلکہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں میں بھی توازن واعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق: ''اسلامی احکام، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، وہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور ان میں انتہا پسندی یا افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں[17]'' ۔

اسی ہم آہنگی کی بدولت اسلامی نظام انسانی زندگی میں سکون، اخلاقی توازن اور معاشرتی عدل پیدا کرتا ہے، جو اسے دیگر نظاموں سے ممتاز بناتا ہے۔

5۔ اخلاقیات کی اساس پر تہذیب

اسلامی نظامِ حیات کی بنیاد اخلاقیات پر ہے، اور یہی اخلاقی بنیاد اسلامی تہذیب کی اصل روح ہے۔ اسلامی تہذیب صرف تمدنی ترقی یا ظاہری خوشحالی کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے اخلاقی سانچے کا اظہار ہے جو فرد اور معاشرے کو اعلیٰ انسانی اقدار کے تابع بناتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔[18]

ترجمہ: میں اخلاق کی اعلیٰ قدروں کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اسلام میں تہذیب کا تصور مادّی ترقی سے زیادہ اخلاقی تشکیل پر مبنی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق: ''اسلامی تہذیب کا جوہر اخلاق ہے۔ یہ تہذیب افراد کو سچائی، دیانت، عدل، صبر، ایثار، اور عفت جیسے اوصاف سے آراستہ کرتی ہے''[19]۔

اسی بنیاد پر اسلامی معاشرہ نہ صرف عدل و مساوات پر قائم ہوتا ہے بلکہ روحانی بالیدگی اور باہمی احترام کو بھی فروغ دیتا ہے۔ ڈاکٹر انیس احمد لکھتے ہیں: ''اسلامی تہذیب کی شناخت اس کے اخلاقی اصول ہیں، جو ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ سیاست ہو یا معیشت، تعلیم ہو یا معاشرت——سب اخلاقی دائرہ کار میں آتے ہیں''[20]۔

اسلامی نظامِ حیات، اخلاقی اصولوں کو قوانین، سماجی تعلقات اور ریاستی نظم میں عملی شکل دیتا ہے، جس سے ایک ایسی تہذیب جنم لیتی ہے جو انسان کے ظاہر و باطن کو ہم آہنگ کر دیتی ہے[21]۔

6۔ رواداری اور مکالمے کی روایت

اسلامی نظامِ حیات میں رواداری (Tolerance) اور مکالمہ (Dialogue) ایک بنیادی اخلاقی اور تمدنی قدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام کا پیغام نہ صرف اپنے ماننے والوں کو بلکہ دوسرے مذاہب اور اقوام کے ساتھ بھی عزت، انصاف اور مکالمے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ادْعُ إِلِىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔[22]

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بحث کرو اس طریقے سے جو بہترین ہو۔

یہ آیت اسلام کی دعوتی حکمت عملی میں رواداری اور مہذب مکالمے کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں: "اسلامی تاریخ میں مکالمہ ایک تسلسل کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں فکری اختلاف کے باوجود دلوں کو فتح کیا گیا"[23]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہود و نصاریٰ بلکہ مشرکینِ مکہ سے بھی مکالمے کی روایت کو زندہ رکھا۔ صلح حدیبیہ اور میثاقِ مدینہ اس کی روشن مثالیں ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ: "اسلامی تہذیب کی روح میں مکالمہ، بحث، اور علمی تبادلہ شامل ہے۔ اسلام کسی فکری جبر کا قائل نہیں بلکہ دلائل اور استدلال کا داعی ہے"[24]۔

اسلام میں اہلِ کتاب کے ساتھ تعلقات میں رواداری کی تاکید کی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔[25]

ترجمہ: اہلِ کتاب سے نہ جھگڑو مگر اس طریقے سے جو بہترین ہو۔

عصرِ حاضر میں تہذیبی کشمکش کا منظر نامہ

تہذیبوں کا تصادم: نظریہ اور تنقید

تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کا نظریہ معروف مغربی مفکر سیموئل پی ہنٹنگٹن (Samuel P. Huntington) نے 1993 میں پیش کیا، جس کے مطابق مستقبل میں جنگیں اقوام یا نظریات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تہذیبوں کے درمیان ہوں گی۔ ان کے نزدیک اسلام اور مغرب کے درمیان بنیادی تہذیبی تصادم ناگزیر ہے۔

"The great divisions among humankind and the dominating source of conflict will be cultural. The fault lines between civilizations will be the battle lines of the future."[26]

یہ نظریہ مغرب کے سیکولر، انفرادیت پسند اور مادی عقائد کے بالمقابل اسلام کی توحیدی، اجتماعیت پسند اور اخلاقی اساس کو متصادم قرار دیتا ہے۔ تاہم اسلامی نقطۂ نظر اس تصادم کو ایک مصنوعی اور سیاسی مفاد پر مبنی بیانیہ سمجھتا ہے۔ اسلام عقائد اور تہذیبوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی اور مکالمے پر زور دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ۔[27]

ترجمہ: اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ: "تہذیبی کشمکش اصل میں عقائد و اقدار کی کشمکش ہے، اور اسلام اس میں طاقت سے زیادہ دعوت اور حسنِ سلوک کا قائل ہے"[28]۔

ڈاکٹر انیس احمد اس بیانیے پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "ہنٹنگٹن کا نظریہ مغرب کے فکری خوف اور اسلامی احیاء کے ردعمل کا مظہر ہے، جو دنیا میں اختلاف کو دشمنی کے طور پر دیکھنے پر زور دیتا ہے"[29]۔ لہٰذا اسلام کے نزدیک حقیقی تصادم حق و باطل کا ہے، جس کا فیصلہ میدان جنگ میں نہیں بلکہ علم، اخلاق اور دعوت کے ذریعے ہوتا ہے۔

مغرب اور اسلام: تہذیبی مقابلہ یا غلط فہمیاں؟

اسلام اور مغرب کے درمیان تعلقات کو عمومی طور پر ایک تہذیبی تصادم کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے، خاص طور پر 11 ستمبر 2001 کے بعد، جب مغربی میڈیا اور پالیسی ساز اداروں نے اسلام کو ایک "خطرہ" کے طور پر پیش کیا۔ تاہم کئی محققین کے نزدیک یہ تصادم دراصل علمی، تاریخی اور ثقافتی غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے، نہ کہ اصل دشمنی۔ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں: "اسلام اور مغرب کے درمیان بنیادی دشمنی نہیں، بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنے میں کمی اور تاریخی تعصبات غالب رہے ہیں۔ تہذیبی مقابلہ کی بات زیادہ تر سیاسی مقاصد کے تحت کی گئی ہے"[30]۔

اسلام کا عالمی پیغام، مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی اور انصاف پر مبنی تعلقات کو فروغ دیتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔[31]

ترجمہ: اللہ تمہیں ان سے نیکی کرنے اور انصاف سے پیش آنے سے نہیں روکتا جو دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے۔

پروفیسر ایڈورڈ سعید، اپنی معروف کتاب Orientalism میں مغرب کے اسلام سے تعلق کو ایک فکری اور تعصبی غلط فہمی قرار دیتے ہیں، جہاں اسلام کو اکثر "دوسرا (The Other)" بنا کر پیش کیا گیا[32]۔

ڈاکٹر انیس احمد کے مطابق: "اصل مسئلہ تہذیبی تصادم کا نہیں، بلکہ اسلام کے بارے میں مغرب کی ادھوری اور متعصبانہ تفہیم کا ہے۔ اگر علمی دیانت اور مکالمے کو فروغ دیا جائے تو یہ "تصادم" ایک فکری تبادلے میں بدل سکتا ہے[33]"۔

تہذیبی کشمکش کی صورتیں

1۔ مذہبی منافرت، اسلاموفوبیا

اسلاموفوبیا (Islamophobia) ایک جدید اصطلاح ہے جو مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پائے جانے والے خوف، نفرت، اور تعصب کے رجحان کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس تصور کا تعلق نہ صرف سیاسی پالیسیوں بلکہ میڈیا کے پروپیگنڈہ اور تاریخی تعصبات سے بھی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالحلیم محمود لکھتے ہیں: "اسلاموفوبیا دراصل مغرب کی تاریخی صلیبی ذہنیت کا تسلسل ہے، جسے موجودہ دور میں دہشتگردی کے بیانیے کے ساتھ جوڑ کر ایک فکری حملے کی صورت دی گئی ہے[34]"۔

اسلام نے مذہبی رواداری، عبادت کی آزادی، اور عدل کی جو تعلیمات دیں، وہ اسلاموفوبیا کے ہر دعویٰ کی تردید کرتی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔[35]

ترجمہ: تمہارے لیے تمہارا دین، میرے لیے میرا دین۔

پروفیسر جان ایسپوزیٹو کہتے ہیں: "اسلاموفوبیا ایک سیاسی ہتھیار ہے، جو مغربی اقوام میں خوف پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اسلامی دنیا کے خلاف پالیسیوں کو عوامی حمایت مل سکے[36]"۔

اسلاموفوبیا کا ایک بڑا سبب مغربی میڈیا میں اسلام کی منفی تصویر کشی ہے، جو اکثر مخصوص واقعات کو تمام مسلمانوں پر منطبق کر کے پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر انیس احمد کے مطابق: "اسلاموفوبیا کا مقابلہ صرف سیاسی بیانیہ سے نہیں، بلکہ علمی مکالمہ، ثقافتی شعور اور اخلاقی کردار کے ذریعے کیا جا سکتا ہے[37]"۔

2۔ میڈیا کا کردار

میڈیا جدید دور میں تہذیبی بیانیے کی تشکیل کا ایک طاقتور ذریعہ بن چکا ہے۔ مغربی میڈیا نے تہذیبی کشمکش کے نظریے کو نہ صرف پروان چڑھایا، بلکہ خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں منفی تاثر پیدا کر کے ایک فکری محاذ آرائی کو جنم دیا۔ پروفیسر ایڈورڈ سعید اپنی شہرہ آفاق کتاب Covering Islam میں لکھتے ہیں: "مغربی میڈیا اسلام کو ہمیشہ بحران، تشدد اور انتہاپسندی سے جوڑ کر پیش کرتا ہے، جس سے ایک عمومی نفرت اور خوف پیدا ہوتا ہے[38]"۔

اسلاموفوبیا کے فروغ میں میڈیا کا کردار بنیادی ہے۔ ڈاکٹر انیس احمد کے مطابق: "تہذیبی کشمکش کو حقیقت میں میڈیا کی مدد سے ایک تصوراتی حقیقت بنا دیا گیا ہے۔ میڈیا معلومات نہیں، بلکہ ترجیحات، تعصبات اور پالیسی اہداف کے مطابق بیانیہ پیش کرتا ہے[39]"۔

قرآن مجید خبردار کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔[40]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کر لو۔

میڈیا کے یکطرفہ مؤقف نے اسلام کو تہذیبی مخالف کے طور پر پیش کیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بین الاقوامی مکالمے، ثقافتی تبادلے، اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس بارے میں کہتے ہیں: "میڈیا اگر دیانت دار ہو تو تہذیبی ہم آہنگی کو فروغ دے سکتا ہے، لیکن اگر تعصب پر مبنی ہو تو یہ دنیا کو فکری جنگ میں جھونک دیتا ہے[41]"۔

3۔ سیاسی سامراج اور تہذیبی تسلط

عالمی تہذیبی کشمکش اور اسلامی نظامِ حیات

تہذیبی کشمکش محض ثقافتی یا فکری سطح پر محدود نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ایک منظم سیاسی سامراج اور تہذیبی تسلط کی سوچ کار فرما ہے۔ مغربی استعمار نے صرف زمینوں پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ اقوام کی شناخت، زبان، مذہب اور نظریات کو مغربی قالب میں ڈھالنے کی منظم کوشش کی۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق: ''استعمار صرف عسکری قبضہ نہیں تھا بلکہ علمی، فکری اور تہذیبی سطح پر مغرب کو برتر اور باقی دنیا کو پسماندہ تصور کر کے پیش کرنے کا عمل تھا[42]''۔

سیاسی سامراج نے میڈیا، تعلیمی نظام، عالمی اداروں اور تہذیبی اظہار کے ذرائع کو استعمال کر کے ایک عالمی تہذیبی مرکزیت (Cultural Hegemony) قائم کی، جہاں مغربی اقدار کو ''عالمی اقدار'' کا درجہ دیا گیا۔ تہذیبی کشمکش در حقیقت ایک پراکسی نظریاتی جنگ ہے جس میں سیاسی طاقت تہذیبی فوقیت قائم کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اسلام اس تہذیبی تسلط کو باطل کے غلبے کی علامت سمجھتا ہے اور اس کے مقابل عدل، مساوات اور توحید پر مبنی نظامِ زندگی پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔[43]

ترجمہ: ظالموں کی طرف مائل نہ ہو، ورنہ تمہیں بھی آگ آلے گی۔

ڈاکٹر فضل الرحمان کے مطابق: ''اسلامی تہذیب کی مزاحمت، سامراجی تہذیبی غلبے کے خلاف ایک فکری استقامت کی علامت ہے، جو آزادی، شناخت اور معنویت پر مبنی ہے[44]''۔

مغربی تہذیب کے اثرات

مغربی تہذیب کے فکری پس منظر میں جب انسان کو کائنات کا مرکز قرار دیا گیا تو اس کے اثرات نہ صرف سائنسی و فکری میدان میں بلکہ اخلاقی و روحانی اقدار پر بھی مرتب ہوئے۔ یہ تصور کہ حقیقت صرف وہی ہے جو حواس یا تجربے سے معلوم ہو، مادہ پرستی (Materialism) کے فروغ کا سبب بنا۔ مادہ پرستی کی فکری جڑیں مغرب میں یونانی فلسفے، خاص طور پر ڈیموکریٹس اور اپی کیورس کے افکار میں ملتی ہیں، لیکن جدید دور میں اس نے کارٹیشین ڈوئلزم اور سائنسی انقلاب کے بعد نظریاتی شکل اختیار کی۔ فرانسس بیکن اور تھامس ہابز جیسے مفکرین نے قدرتی دنیا کو مادی قوانین کے تحت بیان کیا، جس سے روحانی حقیقت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ ''ہابز نے انسان کو ایک مشین سے تشبیہ دی جس کا ہر فعل مادی اسباب کا نتیجہ ہے[45]''۔ انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب نے مادہ پرستی کو ایک عملی نظام کی شکل دی۔ انسان کی قدر اس کی پیداواری صلاحیت سے منسلک ہو گئی۔ مغربی معاشروں میں مذہب کی حیثیت نجی معاملہ بن گئی۔ ماکس ویبر نے بیان کیا کہ جدید سرمایہ دارانہ روح نے انسان کی زندگی سے ''سحر'' کو ختم کر دیا[46]۔

مادہ پرستی نے خاندانی رشتوں کو مادی مفادات سے مشروط کر دیا، نتیجتاً خاندانی بندھن کمزور ہوئے۔ اخلاقیات کا انحصار فرد کی پسند پر آ گیا، مطلق خیر و شر کا تصور کمزور پڑ گیا۔ مختصراً یہ کہ مغربی تہذیب نے مادی ترقی کو انسان کی کامیابی کا معیار بنا دیا ہے، جس کے نتیجے میں روحانی خلا، اخلاقی زوال اور معاشرتی انتشار پیدا ہوا۔ مادہ پرستی اگرچہ وقتی سہولت دیتی ہے، مگر طویل مدت میں انسانی فطرت کو مطمئن نہیں کر سکتی۔

اسلامی نظامِ حیات کا عالمی متبادل

1۔ اخلاقی قیادت

اسلام سیاست، معیشت، معاشرت، اور قانون میں اخلاقی اصولوں پر مبنی قیادت کا نظام فراہم کرتا ہے۔ اخلاقی قیادت ایک ایسا نظریہ ہے جو قیادت کو صرف اختیارات اور طاقت کی بجائے اقدار، سچائی، دیانت، اور ذمہ داری کے ساتھ جوڑتا ہے۔ موجودہ عالمی بحرانوں، بدعنوانی، اور بے اعتمادی کے ماحول میں اخلاقی قیادت کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ اخلاقی قیادت کے کلیدی عناصر میں کردار، انصاف پسندی، خدمت کا جذبہ اور مشترکہ ویژن ہوتا ہے۔ قائد کی سچائی، وعدے کی پاسداری، اور دیانت داری بنیادی صفات ہیں۔ قائد تمام افراد کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا ہے۔ قائد اپنی ٹیم کے ساتھ ایک مشترکہ مقصد کو واضح کرتا ہے جو سب کے لیے مفید ہو۔ اسلامی تصورِ قیادت سراسر اخلاقی بنیادوں پر قائم ہے۔ نبی کریم ﷺ کو قرآن نے ''اسوہ حسنہ'' قرار دیا ہے[47]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مشہور ہے: ''اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جائے تو عمر سے پوچھا جائے گا[48]''۔

اخلاقی قیادت صرف ایک اخلاقی ضرورت نہیں بلکہ عملی ضرورت بھی ہے۔ ایسے قائدین جو اخلاقی اصولوں پر کاربند ہوں، وہ دیرپا اثرات چھوڑتے ہیں اور معاشرے کو استحکام، انصاف، اور ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔

2۔ تعلیم اور تہذیبی احیاء

تہذیب کسی قوم کی فکری، اخلاقی اور روحانی میراث کا مظہر ہوتی ہے، اور تعلیم اس تہذیب کو نسل در نسل منتقل کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ جب تعلیم اپنی تہذیبی بنیادوں سے کٹ جائے تو قوم فکری غلامی، شناختی بحران اور اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر　　　　یہ راز کسی کو نہیں، معلوم کہ ملّا کیا ہے؟[49]

تعلیم فقط معلومات کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی اقدار، سوچنے کا انداز، اور دنیا کو دیکھنے کا زاویہ سکھاتی ہے۔ الفا بابا کے مطابق: ''جب تعلیم اپنی تہذیبی روح سے خالی ہو جائے تو وہ صرف مہارت پیدا کرتی ہے، انسانیت نہیں[50]''۔

یورپ کے نشاۃ ثانیہ (Renaissance) میں تعلیم نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ارسطو اور سقراط کے نظریات کی بازیافت نے فکری آزادی کی بنیاد ڈالی۔ بعد ازاں، روشن خیالی (Enlightenment) کے دور میں تعلیم نے معاشرتی و سائنسی ترقی کو ممکن بنایا۔ اسلامی تاریخ میں تعلیم کو دینی و دنیاوی دونوں پہلوؤں کے ساتھ سیکھنے کا ذریعہ سمجھا گیا۔ قرآن کی پہلی وحی ''اقْرَأْ''، تعلیم و تحقیق کی بنیاد ہے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں بیت الحکمت جیسے ادارے تہذیبی ترقی کے مراکز تھے۔

تہذیبی احیاء کی راہ میں تعلیمی چیلنجز بھی ہیں۔ مغربی نظامِ تعلیم کی تقلید مقامی ثقافت اور اقدار سے بیگانگی پیدا کرتی ہے۔ تعلیم کا مقصد روزگار بن کر رہ گیا، تہذیبی بیداری پس پشت چلی گئی۔ نصاب میں مقامی روایات، مذہبی اقدار اور تاریخی شعور کی کمی پیدا ہوتی ہے۔ مختصر ایہ کہ تعلیم اور تہذیبی احیاء کا تعلق ناگزیر ہے۔ اگر تعلیم اپنی فکری جڑوں اور تہذیبی بنیادوں سے ہم آہنگ ہو جائے تو قومیں نہ صرف ترقی کرتی ہیں بلکہ دنیا میں اپنی انفرادیت بھی برقرار رکھتی ہیں۔ تہذیبی بیداری کے لیے ایک جامع، متوازن اور مقصدی نظامِ تعلیم ناگزیر ہے۔

3۔ اسلامی تہذیب کا ثقافتی احیاء

اسلامی تہذیب ایک ہمہ گیر اور مکمل تہذیب ہے جو صرف عبادات یا مذہبی تعلیمات تک محدود نہیں بلکہ فن، علم، معاشرت، زبان، ادب اور تعمیرات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس تہذیب کا ثقافتی احیاء اس وقت ناگزیر ہو چکا ہے جب مسلم دنیا ثقافتی یلغار اور فکری انتشار کا شکار ہے۔ اسلامی ثقافت کی بنیاد وحی، نبوی سنت، اور علمی روایت پر ہے۔ سید حسین نصر کے مطابق ''اسلامی تہذیب کی روح قرآن و سنت کی روشنی میں معنویت، ہم آہنگی اور جمالیات کا امتزاج ہے''[51]۔ اسی طرح علم، فنِ تعمیر، خطاطی، موسیقی، اور تصوف اسلامی ثقافت کے اہم عناصر رہے ہیں۔ ابن رشد، فارابی، غزالی، اور ابن خلدون جیسے مفکرین نے ایک ہمہ گیر تہذیب کی بنیاد رکھی۔ 8ویں تا 13ویں صدی کے دوران اسلامی ثقافت نے سائنس، طب، فلسفہ، فنون اور تمدن میں دنیا کو قیادت فراہم کی۔ اندلس، بغداد، قاہرہ اور بخارا اس احیاء کے مراکز تھے۔

ثقافتی زوال کے اسباب میں سیاسی کمزوری اور استعماری قبضہ، علمی زوال اور اجتہاد کی بندش، مغربی اقدار کی تقلید، تعلیم کا غیر تہذیبی و غیر تخلیقی ڈھانچہ وغیرہ شامل ہیں۔ فرانز فینن نے نوآبادیاتی اثرات پر لکھا ہے کہ: ''نوآبادیاتی نظام صرف زمین پر قبضہ نہیں کرتا، بلکہ ذہنوں کو بھی غلام بناتا ہے''[52]۔

مختصر ایہ کہ اسلامی تہذیب کا ثقافتی احیاء ایک زندہ عمل ہے جو صرف ماضی کی بازیافت نہیں بلکہ موجودہ چیلنجز کے تناظر میں نئی فکری، تعلیمی اور جمالیاتی تشکیل کا تقاضا کرتا ہے۔ جب تک تعلیم، تخلیق، اور خود شعوری کو تہذیبی بنیادوں پر استوار نہیں کیا جائے گا، اسلامی ثقافت کا احیاء ممکن نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی نظامِ حیات صرف ایک مذہبی یا فکری نظام نہیں بلکہ ایک مکمل، جامع، اور فطری تہذیبی ماڈل ہے جو عصرِ حاضر کی تہذیبی کشمکش کا نہ صرف جواب رکھتا ہے بلکہ انسانیت کے لیے امن، عدل، روحانیت اور فلاح کا مؤثر اور ہمہ جہت حل بھی مہیا کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب کو ایک متوازی نظام کے طور پر پیش کرنے کے لیے علمی بیداری، فکری اجتہاد، اور تہذیبی خود اعتمادی کی ضرورت ہے۔

مغربی تہذیب کے اثرات

جب مغربی تہذیب کے فکری ڈھانچے میں انسان کو کائنات کا مرکز قرار دیا گیا تو اس کے اثرات سائنس اور فکر تک محدود نہ رہے بلکہ اخلاقی و روحانی اقدار پر بھی پڑے۔ یہ تصور کہ حقیقت صرف وہی ہے جو حواس کے ذریعے محسوس یا براہِ راست تجربہ کی جا سکے، مادہ پرستی کے فروغ کا باعث بنا۔ مغرب میں مادہ پرستی کی فکری جڑیں یونانی فلاسفہ، جیسے ڈیموکریٹس اور اپی کورس تک جاتی ہیں، تاہم جدید دور میں کارتیسی دوئی اور سائنسی انقلاب کے بعد یہ ایک منظم نظریہ کی شکل اختیار کر گئی۔ فرانسس بیکن اور تھامس ہابز جیسے فلسفیوں نے فطری دنیا کو مادی قوانین کے ذریعے بیان کیا اور اس طرح روحانی حقیقت کو نظر انداز کر دیا۔ ہابز نے انسان کو مشین سے تشبیہ دی، جس کا ہر عمل مادی اسباب کا نتیجہ

ہے۔انیسویں صدی کے صنعتی انقلاب نے مادہ پرستی کو ایک عملی نظام میں بدل دیا۔انسانی قدر کو پیداوار سے وابستہ کر دیا گیا اور مذہب کو نجی دائرے تک محدود کر دیا گیا۔میکس ویبر نے مشاہدہ کیا کہ جدید سرمایہ دارانہ روح نے انسانی زندگی کو "جادو سے خالی" کر دیا ہے۔

مادہ پرستی نے خاندانی رشتوں کو مادی مفادات سے مشروط کر کے خاندانی تعلقات کو کمزور کر دیا۔اخلاقیات انفرادی پسند پر منحصر ہو گئیں اور مطلق خیر و شر کا تصور ماند پڑ گیا۔مختصراً یہ کہ مغربی تہذیب نے مادی ترقی کو انسانی کامیابی کا پیمانہ بنایا، جس کے نتیجے میں روحانی خلا، اخلاقی زوال اور سماجی انتشار پیدا ہوا۔اگرچہ مادہ پرستی عارضی سہولت فراہم کرتی ہے، لیکن طویل مدت میں یہ انسانی فطرت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتی ہے۔

اسلامی نظام حیات: ایک عالمی متبادل

1۔اخلاقی قیادت

اسلام سیاست، معیشت، معاشرت اور قانون کے تمام شعبوں میں اخلاقی اصولوں پر مبنی قیادت کا تصور پیش کرتا ہے۔اخلاقی قیادت کا تعلق اقتدار اور طاقت سے نہیں بلکہ اقدار، صداقت، دیانت اور جوابدہی سے ہے۔آج کی دنیا جو بحران، بدعنوانی اور بے اعتمادی سے دوچار ہے، اس میں اخلاقی قیادت کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔اخلاقی قیادت کے بنیادی عناصر میں کردار، عدل، خدمت کا جذبہ اور مشترکہ وژن شامل ہیں۔ایک رہنما کی سچائی، وعدوں کی پاسداری اور امانت داری لازمی صفات ہیں۔رہنما سب کے ساتھ مساوات وانصاف کا سلوک کرتا ہے اور سب کو ایک ایسے مقصد کے گرد متحد کرتا ہے جو سب کے لیے فائدہ مند ہو۔اسلامی تصورِ قیادت مکمل طور پر اخلاقیات پر مبنی ہے۔ قرآنِ کریم نے نبی اکرم ﷺ کو "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے" :اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر اس کے بارے میں جواب دہ ہو گا۔"

اخلاقی قیادت محض ایک اخلاقی تصور نہیں بلکہ عملی ضرورت بھی ہے۔جو رہنما اصولوں کی پاسداری کرتے ہیں وہ دیرپا اثر چھوڑتے ہیں اور معاشرے کو استحکام، انصاف اور ترقی کی طرف لے جاتے ہیں۔

2۔تعلیم اور تہذیبی احیاء

تہذیب کسی قوم کے فکری، اخلاقی اور روحانی ورثے کا عکس ہوتی ہے، اور تعلیم وہ بنیادی ذریعہ ہے جس کے ذریعے یہ تہذیب نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔جب تعلیم اپنے تہذیبی پس منظر سے کٹ جاتی ہے تو قوم فکری غلامی، شناخت کے بحران اور اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔علامہ اقبال نے بجا فرمایا:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
یہ راز کسی کو نہیں، معلوم کہ مُلّا کیا ہے؟

تعلیم محض معلومات کا حصول نہیں بلکہ تہذیبی اقدار، فکری ڈھانچے اور نظریاتِ حیات کی ترسیل بھی ہے۔جیسا کہ الفا بابا نے کہا" :جب تعلیم کو تہذیبی روح سے محروم کر دیا جائے تو یہ انسانیت نہیں بلکہ صرف ہنر پیدا کرتی ہے۔"

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دوران تعلیم نے بنیادی کردار ادا کیا۔ارسطو اور سقراطی فکر کی تجدید نے فکری آزادی کی بنیاد رکھی۔بعد ازاں دورِ تنویر میں تعلیم نے سماجی اور سائنسی ترقی کو ممکن بنایا۔اسلامی تاریخ میں تعلیم نے دینی و دنیاوی دونوں جہات کو محیط کیا۔قرآن کی پہلی وحی "اقرأ" (پڑھ) نے علم اور تحقیق کی بنیاد رکھی۔بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں بیت الحکمہ جیسے ادارے تہذیبی ترقی کے مراکز بنے۔

تاہم، تعلیم کے ذریعے تہذیبی احیاء کے راستے میں آج بھی چیلنجز موجود ہیں۔مغربی تعلیمی ماڈلز کی نقالی اکثر مقامی ثقافت اور اقدار سے بیگانگی پیدا کرتی ہے۔تعلیم اب زیادہ تر روزگار پر مرکوز ہے اور تہذیبی بیداری سے غافل ہے۔نصاب میں مقامی روایات، دینی اقدار اور تاریخی شعور پر زور نہیں دیا جاتا۔خلاصہ یہ کہ تعلیم اور تہذیبی احیاء آپس میں گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔جب تعلیم کو فکری جڑوں اور تہذیبی بنیادوں سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے تو قومیں نہ صرف ترقی کرتی ہیں بلکہ دنیا میں اپنی انفرادیت بھی برقرار رکھتی ہیں۔ایک جامع، متوازن اور مقصدی تعلیمی نظام تہذیبی بیداری کے لیے ناگزیر ہے۔

۳۔اسلامی تہذیب کی ثقافتی احیاء

اسلامی تہذیب ایک ہمہ جہت نظامِ حیات ہے جو محض عبادات اور مذہبی تعلیمات تک محدود نہیں بلکہ فنونِ لطیفہ، علم، معاشرت، زبان، ادب اور فنِ تعمیر کو بھی محیط ہے۔ عصرِ حاضر میں جبکہ مسلم دنیا فکری انتشار اور ثقافتی یلغار سے دوچار ہے، اسلامی تہذیب کی **ثقافتی احیاء** ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے۔ اسلامی ثقافت کی بنیاد وحیِ الٰہی، سنتِ نبوی اور علمی و فکری ورثے پر قائم ہے۔ جیسا کہ سید حسین نصر لکھتے ہیں:

اسلامی تہذیب کی روح دراصل معنی، توازن اور حسن کے اس امتزاج میں پوشیدہ ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں پروان چڑھا ہے[53]

اسلامی ثقافت کے اہم اجزاء میں علم، فنِ تعمیر، خطاطی، موسیقی اور تصوف شامل رہے ہیں۔ مسلمان مفکرین مثلاً ابن رشد (1126–1198ء)، الفارابی (872–950ء)، امام غزالی (1058–1111ء) اور ابن خلدون (1332–1406ء) نے ایک ہمہ گیر تہذیبی نظام کی فکری بنیادیں فراہم کیں (ابن خلدون، المقدمہ، ص 112؛ غزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1، ص 76)۔ آٹھویں سے تیرہویں صدی تک اسلامی تہذیب نے سائنس، طب، فلسفہ، فنونِ لطیفہ اور شہری ترقی کے میدان میں دنیا کی قیادت کی۔ قرطبہ، بغداد، قاہرہ اور بخارا جیسے مراکز نے تہذیبی احیاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔[54]

ثقافتی زوال کے اسباب میں سیاسی کمزوری، نوآبادیاتی تسلط، فکری جمود، دروازۂ اجتہاد کی بندش، مغربی اقدار کی اندھی تقلید اور ایسا تعلیمی ڈھانچہ شامل ہیں جو تہذیبی و تخلیقی گہرائی سے عاری ہو۔ فرانز فینن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

نوآبادیات صرف زمین پر قبضہ نہیں کرتیں بلکہ ذہنوں کو بھی غلام بنا لیتی ہیں[55].

بالآخر اسلامی تہذیب کی ثقافتی احیاء ایک زندہ عمل ہے — جو محض ماضی کی طرف مراجعت نہیں بلکہ موجودہ چیلنجز کے تناظر میں فکر، تعلیم اور جمالیات کی نئی تشکیل ہے۔ جب تک تعلیم، تخلیق اور خودآگاہی کو تہذیبی بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے، اسلامی ثقافت کی حقیقی تجدید ممکن نہیں۔

نتیجہ

اسلامی نظامِ حیات محض ایک مذہبی یا نظریاتی فریم ورک نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر، فطری اور جامع تہذیبی ماڈل ہے۔ یہ نہ صرف معاصر تہذیبی تصادم کا جواب فراہم کرتا ہے بلکہ امن، انصاف، روحانیت اور انسانی فلاح کے لیے ایک قابلِ عمل اور کثیر الجہتی متبادل بھی پیش کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب کو ایک متوازی نظام کے طور پر پیش کرنے کے لیے فکری بیداری، تجدید اجتہاد اور تہذیبی خوداعتمادی ناگزیر ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام کا نظامِ حیات (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2011)، ص 14

[2] وحید الدین خان، اسلام: ایک جامع نظامِ حیات (دہلی: المرکز الاسلامی، 2005)، ص 33

[3] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ اسلام، جلد اول (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2003)، ص 48

[4] سورۃ الاخلاص 1:112

[5] سید ابوالاعلیٰ مودودی، توحید کیا ہے؟ (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2008)، ص 22

[6] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور (کراچی: مکتبہ سحر، 1995)، ص 51

[7] سورۃ المؤمن 20:40

[8] معاویہ، مولانا محمد ھارون، اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت، کراچی، 2006ء، ص 30

[9] سورۃ النساء 105:4

[10] سورۃ الحدید 25:57

[11] السجستانی، ابی داؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، کتاب الدیات، باب القود من الضربۃ وقص الامیر من نفسہ، ج 2، ص 278

12 سورۃ السباء:28

13 سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس (لاہور: ادارہ اسلامیہ، 1985)، ص 103

14 مولانا ابوالحسن علی ندوی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1992)، ص 89

15 الروم:30

16 امین احسن اصلاحی، اسلامی معاشرت (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 1999)، ص 42۔

17 ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ اسلام، جلد دوم (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2004)، ص 65

18 امام مالک، موطا مالک، کتاب حسن الخلق، حدیث نمبر 1614

19 سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام کا تہذیبی نظریہ (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2006)، ص 19

20 ڈاکٹر انیس احمد، اسلامی تہذیب: مفہوم، اصول و امتیازات (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2003)، ص 41

21 ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام میں اخلاقی اقدار (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2010)، ص 58

22 سورۃ النحل:125

23 ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، جلد 1 (لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1990)، ص 87

24 ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ اسلام و جدید دنیا (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2005)، ص 112

25 سورۃ العنکبوت:46

26 Samuel P. Huntington, The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order (New York: Simon & Schuster, 1996), 22.

27 سورۃ الھود:118

28 ابوالحسن علی ندوی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1992)، ص 119

29 ڈاکٹر انیس احمد، تہذیبی تصادم یا باہمی تبادلہ (اسلام آباد: ادارہ معارف اسلامی، 2004)، ص 57

30 ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور مغرب: غلط فہمی یا تصادم؟ (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2008)، ص 56

31 الممتحنہ:8

32 Edward W. Said, Orientalism (New York: Vintage Books, 1979), 60–61

33 ڈاکٹر انیس احمد، اسلام اور مغرب: تہذیبی مکالمہ یا مقابلہ؟ (اسلام آباد: ادارہ معارف اسلامی، 2005)، ص 44

34 عبدالحلیم محمود، اسلام اور مغرب کی فکری کشمکش (قاہرہ: دارالافاق، 1985)، ص 103

35 سورۃ الکافرون:6

36 John L. Esposito, The Future of Islam (New York: Oxford University Press, 2010), 148.

37 ڈاکٹر انیس احمد، اسلاموفوبیا اور مسلم امہ کا ردعمل (اسلام آباد: ادارہ معارف اسلامی، 2011)، ص 59

38 Edward W. Said, Covering Islam: How the Media and the Experts Determine How We See the Rest of the World (New York: Vintage Books, 1997), 31

39 ڈاکٹر انیس احمد، میڈیا، اسلام اور تہذیبی کشمکش (اسلام آباد: ادارہ معارف اسلامی، 2009)، ص 47

40 سورۃ الحجرات:6

41 ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور میڈیا کا کردار (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2011)، ص 63

42 Edward W. Said, Culture and Imperialism (New York: Vintage Books, 1993), 9

43 سورۃ الھود:113

44 ڈاکٹر فضل الرحمان، اسلام اور جدید دنیا (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، 1982)، ص 103

45 Hobbes, Thomas. Leviathan. Oxford: Oxford University Press, 1996, P-183

[46] Weber, Max. The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism. Translated by Stephen Kalberg. Los Angeles: Roxbury 23Publishing Company, 2002, P-1

[47] سورۃ الاحزاب 21:33

[48] محمد ابن سعد، کتاب الطبقات الکبیر، (دار صادر، بیروت، 1990)، ص 243

[49] علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، (اقبال اکیڈمی، لاہور، 2004ء)، ص 67

[50] الفاء بابا، تعلیم و ثقافتی شناخت (نیو ڈان پبلیکیشنز، 2016ء) ص 102

[51] Nasr, Seyyed Hossein. Traditional Islam in the Modern World. (London: Kegan Paul International, 1987), p.34

[52] Fanon, Frantz. The Wretched of the Earth. (Translated by Constance Farrington. New York: Grove Press, 1963), p. 210

[53] نصر، سید حسین۔ Islamic Art and Spirituality۔ لندن: KPI، 1987ء، ص 45

[54] ہاجسن، مارشل۔ The Venture of Islam۔ شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، 1974ء، ج 2، ص 134

[55] فینن، فرانز۔ The Wretched of the Earth۔ نیویارک: Grove Press، 1963ء، ص 210